جی چاہتا ہے نقشِ قدم چومتے چلیں

سماحۃ الشیخ

عبدالعزیز بن عبداللہ بن بازؒ

خان یاسر

امی، ابّی اور دادا کے نام

جن سے میں نے سیکھا کہ
عظیم شخصیات
آسمان سے نہیں اترتیں
بلکہ
زمین پر پیدا ہوتی ہیں،
زمین سے وابستہ ہوتی ہیں؛
اور یہ کہ
ہر بچہ
اگر 'چاہے'
تو 'بڑا' آدمی بن سکتا ہے...

رنج سے خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج
مشکلیں مجھ پر پڑیں اتنی کہ آساں ہو گئیں

”اپنی جوانی کے زمانے سے ہی یہ میری فطرت بن گئی ہے کہ جس چیز کو میں سچا پاتا ہوں اس کی طرف لوگوں کو بلاتا ہوں اور اس کے نتیجے میں جو کچھ ہوتا ہے یا ہوسکتا ہے اسے بھگتنے کے لیے تیار رہتا ہوں۔ میں کسی کی تعریف یا چاپلوسی کا کبھی قائل نہیں رہا۔ میں سچ کہتا ہوں اور صبر کرتا ہوں۔ اگر میری بات مان لی جاتی ہے تو بھی اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں اور نہیں مانی جاتی ہے تو بھی۔ یہ ہے وہ راستہ جسے میں نے اپنے لیے پسند کیا ہے۔۔۔۔ جو لوگ اجتہادی معاملات میں مجھ سے اختلاف رکھتے ہیں، انھیں ایسا کرنے کا حق ہے اور میں ان کا برا نہیں چاہتا۔ مجتہد کے لیے تو اللہ تعالیٰ نے دو میں سے ایک اجر کا وعدہ تو کر ہی رکھا ہے۔ میرا کام اس حق کا اعلان کرنا اور اس حق کی طرف لوگوں کو بلانا ہے جو میری صوابدید کے مطابق حق ہے۔۔۔۔ میرا یہ طرز عمل حکام کے ساتھ بھی ہے اور عوام کے ساتھ بھی۔[۴۳]“

(عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز)

عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز

پیدائش اور حصول تعلیم: عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز سعودی عرب کے شہر ریاض میں 1909 کو ایک علمی و اسلامی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ابھی تین ہی سال کے تھے کہ والد کا انتقال ہو گیا۔ یہ ان کی والدہ کا دم خم تھا کہ انھوں نے نہ صرف بچوں کی پرورش کی بلکہ عبدالعزیز کو علم کا چسکہ لگا دیا، انھیں شریعت کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جاننے پر اکساتی رہیں۔ بلوغت سے پیشتر ہی آپ حفظ قرآن سے فارغ ہو گئے۔ مالی حالت خراب ہونے کی وجہ سے 13 سال کی کم عمری میں ہی آپ بڑے بھائی کے ساتھ بازار میں کپڑے بیچنے لگے۔ لیکن تعلیم کی لگن ہو تو کیا کچھ نہیں ہو سکتا؟ باوجود اس کے کہ دن بھر کی یہ کاروباری محنت انھیں تھکا مارتی تھی، وہ قرآن، حدیث، فقہ و تفسیر پڑھنے کے لیے کسی نہ کسی طرح وقت نکال لیا کرتے تھے۔ ابھی بن باز صرف سولہ سال کے تھے کہ ان کی آنکھوں میں ایک خطرناک قسم کا انفکشن ہو گیا، جس سے ان کی بصارت کمزور ہونے لگی۔ بیس سال کی عمر کو پہنچتے پہنچتے بن باز بینائی سے مکمل طور پر محروم ہو گئے۔ مگر مجال کہ اس مردِ آہن کو مایوسی کی ہوا چھو کر بھی گزر جائے۔ کسی بھی جزع و فزع اور آہ و بکا کے بجائے بن باز نے تقدیر کے لکھے کو بسر و چشم قبول کیا اور پہلے سے بڑھ کر محنت کرنی شروع کی۔ 'بصارت کھو گئی لیکن بصیرت تو سلامت ہے' کے جذبے کے ساتھ، اللہ پر توکل کرتے ہوئے آپ نے کمر ہمت باندھ لی اور اپنی معذوری کو اپنے عزائم کی راہ میں حائل ہونے کی اجازت نہیں دی۔ اپنے اس عزم و بلند حوصلگی کا صلہ انھیں اس دنیا میں بھی ملا اور آخرت کے درجات کی بلندی کا تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کو علم ہے۔

بن باز نے مایہ ناز اساتذہ سے علوم کا اکتساب کیا جن میں ریاض کے قاضی صالح بن عبدالعزیز، قاضی القضاۃ سعد بن حمد، مشرقی علاقے کے قاضی القضاۃ محمد بن زید وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ انہوں نے عظیم مفتی سماحۃ الشیخ محمد بن ابراہیم کی خدمت میں 1927 سے 1938 کا عرصہ گزارا اور شریعت کے اسرار

ورموز سے واقف ہوئے۔اس دوران آپ قضا کے لیے تربیت حاصل کرتے رہے۔

اقبال کا ستارہ: 1938 میں بن باز منطقہ خرج میں قاضی کے عہدے پر فائز ہوئے اور چودہ سال تک اس ذمہ داری کو بحسن وخوبی نبھایا۔ 1951 میں ریاض کے **المعهد العلمی** میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ پھر سات آٹھ سالوں تک ریاض کے **كلية الشريعة** میں علوم فقہ اور توحید وسنت پڑھاتے رہے۔ 1961 میں انھیں **جامعه الاسلامیه** مدینہ منورہ کا وائس چانسلر مقرر کیا گیا۔ 1970 میں رئیس الجامعہ محمد بن ابراہیم کے انتقال پر آپ نے رئیس الجامعہ (چانسلر) کا قلم دان سنبھالا۔ 1975 تک آپ یہ ذمہ داری نبھاتے رہے۔ 1975 میں ایک شاہی فرمان کے بموجب آپ کو **ادارت البحوث العلمیه والافتاء والدعوة والارشاد** کے چیئرمین کے منصب پر فائز کیا گیا، یہ منصب وزیر کے رتبہ کے برابر ہے۔ 1992 میں انھیں سعودی عرب کے مفتیٔ اعظم کا قلمدان سونپا گیا۔ اس کے علاوہ وہ سعودی عرب میں کبار علماء کی انجمن کے صدر بنائے گئے، اسی طرح ریسرچ اور فتویٰ کمیٹی کی صدارت کی ذمہ داری بھی ڈالی گئی۔ **رابطہ عالم اسلامی** کی مجلس تاسیسی کے آپ ممبر اور صدر رہے۔ فقہ اسلامی اکیڈمی (مکہ) کے بھی رئیس رہے۔ جامعہ الاسلامیہ مدینہ منورہ کی مجلس اعلیٰ سے بھی آپ تاحیات منسلک رہے۔ سعودی عرب کی **الدعوة الاسلامیه** کی اعلیٰ انجمن کے بھی آپ ممبر رہے۔ 1981 میں ان کی اسلامی خدمات کے اعتراف میں شاہ فیصل ایوارڈ سے نوازا گیا۔

خدمات: عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز ایک جری مقرر، بے لاگ اور بیباک مبصر تھے۔ انہوں نے حدیث، تفسیر، فرائض، توحید، فقہ، نماز، زکوٰۃ، حج، عمرہ وغیرہ موضوعات پر اچھوتے انداز میں ساٹھ سے زائد کتابیں لکھیں۔ ان میں: صحیح عقیدہ اور جو کچھ اس کے برعکس ہے؛ دعوت الی اللہ اور داعیوں کے اخلاق؛ عربی قومیت پر تنقید؛ الشیخ محمد بن عبدالوہاب: دعوت وسیرت؛ فتح الباری پر حواشی؛ امت کے عام لوگوں کے لیے اہم اسباق؛ سنت کو لازم رکھنے اور بدعت سے بچنے کا وجوب... وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ علاوہ ازیں ان کے جاندار اور پرمغز خطبات عالم اسلام میں ذوق وشوق سے سنے جاتے تھے۔ بن باز کا معمول تھا کہ وہ روزانہ فجر کے بعد درس دیتے تھے۔ مغرب کے بعد عام ملاقاتوں، سوالات و جوابات کا سلسلہ چلتا۔

آپ اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے مسلح بغاوت کے خلاف تھے الا یہ کہ حکمراں صریح طور پر کفر یا

معصیت کا حکم دیں۔ ان کے مطابق پائیدار تبدیلی اور انقلاب صرف غیر مسلح اور تعمیری طریقوں پر ہی لایا جاسکتا ہے۔ اپنی اس رائے کی تائید میں وہ آنحضرتؐ کے اسوۂ مبارکہ اور احادیث پیش کرتے تھے۔ گو ان کی کچھ آراء مثال کے طور پر سعودی عرب میں امریکی اور ناٹو فوج کی آمد کا جواز یا فلسطین و اسرائیل کے درمیان اوسلو معاہدے کی تائید وغیرہ پر نتائج کی روشنی میں عالمانہ تنقید کی جاسکتی ہے لیکن ان کے علمی وقار اور شرعی علوم پر ان کی گرفت پر کوئی سوالیہ نشان نہیں لگایا جاسکتا۔ حکمراں یا اعلیٰ طبقے کی رعایت نہ کرتے ہوئے بن باز اپنے بیباک فتوؤں کے لیے مشہور رہے۔ اس ضمن میں انہوں نے مروجہ موسیقی، مشت زنی، تصاویر و مجسموں اور سگریٹ نوشی جیسے 'عام' خصائل کو قرآن وسنت سے استنباط کر کے کھلے عام حرام ٹھہرا کر، جہاد کیا۔ یہ اسی جرأت کا فیض تھا کہ بین الاقوامی طور پر وہ علماء بھی جو ان معاملوں میں مداہنت کو وقت کی آواز سمجھتے تھے، اب غالب اکثریت کے ساتھ بن باز کی رایوں کی تائید کرتے ہیں۔

قابل رشک موت: بن باز نے 90 سال کی عمر پائی اور اپنی عمر کے ہر ہر لمحے کو خدمت اسلام کے لیے وقف کر دیا۔ بالآخر 13 مئی 1999 کو بارگاہ الٰہی میں سجدے کی قابل رشک حالت میں ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ مسجد حرام میں ہزاروں لوگوں نے نماز جنازہ ادا کر کے عظیم معلم و مفتی کو خراج عقیدت پیش کیا۔ اللہ موصوف کے اعمال کو قبول فرمائے اور ان کے درجات بلند فرمائے۔

آمین!